JOURNAL OF WORLD RESEARCHES
(Researches for World Reforms)
https://jwr.bwo.org.pk/index.php/jwr/index jwr.bwo@gmail.com

International "Journal of World Researches" (JWR) Vol. 2, No. 2 (2022)
ISSN Print: 2791-0962 & Online: 2791-0970

عصری مسائل میں استحسان ومقاصدِ شریعت کا کردار

THE ROLE OF ISTIḤSĀN AND MAQASID AL-SHARI'A IN CONTEMPORARY ISSUES

Published online: 30-12-2022

Rafi-ul-Allah
Lecturer, Islamic Studies Department,
HITEC University Taxila.
Email: rafiullah.qureshi@hitecuni.edu.pk

Prof. Dr. Tufail Hashmi
Professor, Former HOD
Islamic Studies Department,
HITEC University Taxila.
Email: tufailhashmi@gmail.com

Abstract:

Islamic Fiqh is the representative of legal aspect of Islam. It has been originated and established on direct teachings of Qur'an and Sunnah of the Holy Prophet Muhammad (SAW). These two sources are called primary sources of Islamic law. There are some supplementary sources to the primary sources; *Istiḥsān* (Juristic Preference) is one of these. According to Islamic Jurists the main objectives, or purpose of Islamic Law (Shariah) are the preservation of faith, life, intellect, progeny, and wealth. These five purposes are designated as necessities of life and these are the primary purposes of the Shariah (Islamic Law). Protection of faith is the first and foremost objective of the Islamic Law as the Quran clearly mentions worship of Allah as the purpose of creation of human being. Protection of life is the second purpose and according to Islamic teachings human life is sacred. The Quran clearly forbids taking human life of a person without justification. This is the reason that Islam prohibits adultery. Protection of wealth is the fifth purpose and the Islamic teachings' emphasis on acquisition of wealth by lawful means. While the Quran enjoins that one should not earn wealth by unlawful means. These *Dharurat* (necessities are followed by the *Hajat* (needs) and *Thasinat* (complementary values). However the scope of these purposes goes beyond them and they include protection of civilization, culture, establishing peace, harmony, security, elimination of violence, maintenance of equality, and so on. In this article all these five kinds of dharurat (necessities) have been elaborated while in the last portion a review has been carried out for their relevance and implementation in the contemporary era.

Keywords:
: Qur'an, Sunnah, istiḥsān,Maqasid, Shari'ah

اصطلاحی معنی:

ائمۂ احناف نے استحسان کی تعریف مختلف الفاظ میں کی ہیں، جو کہ درجِ ذیل ہیں:

1 - محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسي کا قول:

شمس الائمہ سرخسی اپنی تصنیف "اصولِ سرخسی" میں استحسان کا لغوی و اصطلاحی معنی بیان کرتے ہوئے قلم طرز ہیں: الاستحسان في لسان الفقهاء نوعان العمل بالاجتهاد وغالب الرأي في تقدير ماجعله الشرع موكولا إلى آرائنا نحو المتعة المذكورة في قوله تعالى {متاعا بالمعروف حقا على المحسنين} أوجب ذلك بحسب اليسار والعسرة وشرط أن يكون بالمعروف فعرفنا أن المراد ما يعرف استحسانه بغالب الرأي وكذلك قوله تعالى {وعلى المولود له رزقهن وكسوتهن بالمعروف} ولا يظن بأحد من الفقهاء أنه يخالف هذا النوع من الاستحسان والنوع الآخر هو الدليل الذي يكون معارضا للقياس الظاهر (السرخسي، 200ھ)۔[iv]

علامہ سرخسی کے بقول استحسان کا لفظ دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

اول: جن احکام کو شریعت نے ہماری رائے پر چھوڑ دیا ہے، ان میں غالب گمان اور اجتہاد پر عمل کرنا، جیسے قرآن نے غیر مدخولہ عورت کی طلاق کی صورت میں جس کا مہر مقرر نہ کیا گیا ہو، کے لیے متعہ کا حکم "متاعا بالمعروف حقا على المحسنين" (سورۃ البقرۃ، 2 / 236)[v] کے الفاظ سے دیا ہے، اسی طرح قرآن میں کہا گیا ہے "وعلى المولود له رزقهن وكسوتهن بالمعروف" (سورۃ البقرۃ، 1 / 233)[vi] شوہر پر اس کے بچے کو دودھ پلانے والی مطلقہ بیوی کا نفقہ معروف طریقہ پر واجب ہے۔

ان آیات میں مُتعہ و نفقہ کی کوئی حتمی مقدار متعین نہیں کی گئی ہے، لوگ اپنی دولت اور غُربت کے اعتبار سے مُتعہ اور نفقہ ادا کریں گے، جو غالب رائے اور صواب دید پر موقوف ہو گا، اس کو بھی "استحسان" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ بات ناقابلِ تصور ہے کہ کوئی فقیہ اس معنی استحسان کا مخالف ہو۔ **دوم:** کہ استحسان وہ دلیل ہے، جو ظاہرِ قیاس کے معارض ہے۔

2-ابو الحسن الآمدی کا قول:

ابو الحسن الآمدی اپنی کتاب "الإحكام في أصول الأحكام" میں لکھتے ہیں:

تمہید:

ایک فقیہ اور قانون دان کو بہت سے ایسے مسائل کا سامنا ہوتا ہے جہاں مصلحت و ضرورت، قانون پر مقدم ہوتی ہے۔ ایسے مواقع پر مصلحت کے تقاضوں پر عمل کرنا ہی مسئلہ کا صحیح حل معلوم ہوتا ہے، جو کہ مقصدِ شریعت ہے۔ قانون اور نپے تلے ضابطے بعض مواقع پر معاشرے کی گوناگوں اور پیچ در پیچ ضروریات کے حل سے قاصر رہ جاتے ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ضرورتوں اور مصلحتوں کی بنیاد پہلے پڑتی ہے۔ اور منظّم شکل دینے کے لیے قاعدے قانون بعد میں مقرر کیے جاتے ہیں۔ زمان و مکان کے لحاظ سے ان میں تبدیلی، موقع اور محل کے لحاظ سے تنوع، اور نئ نئ ضرورتیں ایسی ناگزیر صورتیں ہیں کہ بسا اوقات قیاس کی وسیع تر حدیں بھی ان کے لیے تنگ و ضرر رساں اور خلافِ مقصدِ شریعت ہو جاتی ہیں۔

ایسی حالت میں فقہاء ضرورت اور مصلحت کو معیار بنا کر حکم ثابت کرتے ہیں، مزید وجۂ ترجیح تلاش کرتے ہیں، اور اس کی بناء پر نقصان دہ اور خلافِ مقصد شریعت پہلو کو چھوڑ کر دوسرا مفید پہلو اختیار کر لیتے ہیں، جس سے لوگوں کی فلاح و بہبود میں اضافہ اور تکلیف کا ازالہ ہو سکے۔ استحسان اسی ضرورت اور مصلحت کا پیدا کردہ ایک اصول، یا مآخذ ہے (الزحيلي، 1985)۔

استحسان اور مقاصد شریعت کا مفہوم:

لغوی معنی:

لفظِ استحسان "حسن" سے ماخوذ ہے، عربی قواعدِ صرف کے مطابق یہ بابِ استفعال سے ہے، لغوی اعتبار سے اس کے دو معنی کئے گئے ہیں۔

اول: کسی شئ کو بہتر خیال کرنا، اس کے مقابلہ میں استقباح کا لفظ آتا ہے، جس کے معنی کسی چیز کو ناپسند کرنے اور قبیح سمجھنے کے ہیں (الدّبوسيّ، 2001)۔[i] اور عام طور پر اہلِ لغت نے بھی اس کا یہی معنی لکھا ہے (الزّبيدي، 423ھ)۔[ii]

دوم: جبکہ علامہ سرخسی نے اس کا دوسرا معنی بھی لکھا ہے اور وہ ہے: "طلب احسن"۔ یعنی اچھی بات کا طلب گار ہونا تاکہ اس کی اتباع کی جائے (السرخسي،)۔[iii]

-أبو الحسن عبيد الله بن الحسين الكرخي کا قول:

° وقال الكرخي: الاستحسان هو العدول في مسألة عن مثل ما حكم به في نظائرها إلى خلافه لوجه هو أقوى (الآمدي،)۔[xii] **ترجمہ:** ابو الحسن کرخی فرماتے ہیں: کہ استحسان کا مطلب یہ ہے کہ مجتہد ایک مسئلہ میں جو حکم لگا چکا ہے جب اسی طرح کا دوسرا مسئلہ آجائے تو اس میں وہی حکم صرف اس لیے نہ لگائے کہ کوئی قوی دلیل ایسی موجود ہو جس کی وجہ سے پہلے جیسا حکم لگانا مناسب نہ ہو۔

مذکورہ بالا تمام تعریفات میں سے امام کرخی کی تعریف کو اس بنا پر ترجیح دی گئی ہے، کہ یہ استحسان کے تمام انواع کو شامل ہے۔ اسی وجہ سے ماضی قریب کے جلیل القدر علماء میں شیخ محمد ابو زہرہ، اور شیخ زرقاء نے اسی کو ترجیح دی ہے۔ کیونکہ امام کرخی کی تعریف بہت ہی جامع اور واضح ہے اور استحسان کی جتنی صورتیں ہیں، وہ سب اس کے دائرہ میں آجاتی ہیں (لقد عرف ابو حسن الکرخی)۔[xiii]

امام کرخی کی تعریف کا ماحصل:

امام کرخی کی تعریف کا حاصل یہ ہے کہ کوئی قوی تر دلیل نص بھی ہوسکتی ہے، اجماع و تعامل بھی ہوسکتا ہے، ضرورت و مصلحت بھی ہوسکتی ہے، اور اسی طرح قوی تر دلیل ایسا قیاس بھی ہوسکتا ہے کہ بادیٔ النظر میں ذہن اس کی طرف منتقل نہ ہوتا ہو، لیکن مسئلہ کی تہہ میں غواصی کرنے کے بعد وہی قیاس زیادہ قوی پایا جائے (السرخسي)۔[xiv]

استحسان کا اصل تصور:

گویا عمومی قواعد یا قیاسِ جلی کے حوالے سے انسانی ضرورتوں اور مصلحتوں پر مبنی مسائل حل کرنے کی صورت میں جب ایسے نتائج ظہور پذیر ہوں جو زمان و مکان کی تبدیلی، موقع و محل کے تنوع اور نت نئی ضرتوں کی وجہ سے شریعت کے مسلّمہ مقاصد سے مطابقت نہ رکھتے ہوں تو ایسی صورت میں ان مقاصد کو روبعمل لانے کے لیے شرعی دلائل کی روشنی میں عمومی قواعد سے ہٹ کر جو راستہ اختیار کیا جاتا ہے، وہ استحسان کہلاتا ہے، کیوں کہ اس طرح شریعت کے مقاصد کے تحت نئے حکم کو "حسن" قرار دیا جاتا ہے کہ اس کے ذریعے فلاح و بہبود میں اضافہ اور مضرت کا دفعیہ ہوسکے اور یوں

° إنه عبارة عن دليل ينقدح في نفس المجتهد لا يقدر على إظهاره لعدم مساعدة العبارة عنه (الآمدي،)۔[vii] **ترجمہ:** کہ استحسان ایسی دلیل کا نام ہے جو مجتہد کے دل میں کھٹکے اور وہ اس کو بیان کرنے پر قادر نہ ہو۔

3-عبد العزیز علاء الدین البخاري الحنفي کا قول:

صاحبِ کشف الاسرار علاء الدین البخاري رقم طراز ہیں: الاستحسان هو القياس الخفي، وإنما سمي[viii] به؛ لأنه في الأكثر الأغلب يكون أقوى من القياس الظاهر فيكون الآخذ به مستحسنا (البخاري،)۔[ix] **ترجمہ:** کہ استحسان دراصل قیاسِ خفی کا نام ہے، جو بالعموم قیاسِ ظاہر سے زیادہ قوی اور مضبوط ہے، اس لیے قیاسِ ظاہر کی بنسبت قیاسِ خفی کو لینا زیادہ مناسب ہے۔

4-امام حلوانی حنفي کا قول:

ابن تیمیۃ الحراني، نے اپنی تصنیف میں استحسان کے حوالہ سے امام حلوانی کا قول ان الفاظ میں بیان کیا ہے: ° وفسر الحلواني الاستحسان بأنه ترك القياس لدليل أقوى منه من كتاب أو سنة أو إجماع (آل تيمية،)۔[x] **ترجمہ:** امام حلوانی فرماتے ہیں: استحسان قیاس کو کسی ایسی قوی دلیل کی وجہ سے چھوڑ دینے کا نام ہے، جو کتاب اللہ، یا سنتِ رسول ﷺ یا اجماعِ امت سے ثابت ہو۔

5-أبو زید عبد الله الدّبوسيّ الحنفي کا قول:

ابو زید الدّبوسی اپنی تصنیف "تقویم الأدلۃ" میں لکھتے ہیں: ° دليل يعارض القياس الجلي (الدّبوسيّ،)۔[xi] **ترجمہ:** استحسان ایسی دلیل کو کہتے ہیں جو واضح قیاس کے مخالف ہو۔

اس کی صورت یہ ہے کہ جب کوئی ایسا مسئلہ درپیش ہو جس میں دو قیاسوں کا باہم تعارض ہو یعنی ایک قیاسِ جلی ہو، جو اس عمومی حکم کا تقاضا کرتا ہو، جو اس مسئلے کے بارے میں مقرر ہے اور دوسرا قیاسِ خفی ہو جو اس سے مختلف حکم کا متقاضی ہو اور اس وقت مجتہد کے ذہن میں ایسی دلیل موجود ہو، جو دوسرے قیاس کو پہلے قیاس پر ترجیح دیتی ہو، یا قیاسِ جلی جس حکم کا تقاضا کرتا ہو، قیاسِ خفی اس کو چھوڑنے کا متقاضی ہو۔ یہ عدول یا ترجیح استحسان کہلاتا ہے۔

6

وہ حکم حکمتِ الٰہی کے ساتھ ہم آہنگ ہو جائے۔ اس طرح مصادرِ شرعیہ (قرآن، سنت، اجماع اور قیاس) کے ظاہری الفاظ واشکال کی پیروی کی بجائے شرعی دلائل (قرآن، سنت، اجماع، قیاس، ضرورت، مصلحت اور عرف وغیرہ) کی بنیاد پر مقاصدِ شریعت کی جستجو کرنا استحسان قرار پاتا ہے۔ استحسان نئے حالات میں عدل کو منظّم کرنے کے لیے راہ تلاش کرتا اور قانون اور عدالتی عمل میں انصاف اور لچک کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ یہ قانون اور سماجی حقائق کے درمیان خلیج کو پاٹتا ہے۔ اس طرح قانون کی اصلاح و تجدید میں قابلِ ذکر صلاحیت کا حامل قرار پاتا ہے۔

استحسان اجتہاد کی ایک اہم شاخ ہے جو معاشرے کی بدلتی ہوئی ضروریات کے حوالے سے اسلامی قانون پر عملدرآمد میں ایک اہم کردار ادا کرتی ہے، استحسان اسلامی قانون کو، سہولت اور ترقی کی حوصلہ افزائی کے لیے ضروری اسباب مہیا کرتا ہے (کمالی،)۔[xvixv] (چونکہ) جدید دور میں استحسان کا اصول بہت ناگزیر ہو گیا ہے۔ بے شمار ایسے مسائل ہیں جو بذریعۂ قیاس حل نہیں کیے جاسکتے، انہیں استحسان ہی کے ذریعے حل کیا جاسکتا ہے۔ ذیل میں ان چند عصری مسائل کی نشاندہی کی جاتی ہے، جہاں استحسان سے استفادہ کیے بغیر کوئی چارہ کار نہیں۔

مسئلۂ اول: آپریشن کرانا:

اگر کسی شخص کو کوئی ایسا مرض لاحق ہو جائے کہ اس کے نتیجے میں اس کے جسم کا آپریشن ضروری ہو جائے تو ایسی صورت میں اس کا آپریشن نہ صرف جائز، بلکہ ضروری ہے، بشرطیکہ صحت کا غالب گمان ہو۔

اب اگر ہم قیاس کو دیکھیں، تو قیاس کا تقاضا یہ ہے، کہ آپریشن کی اجازت نہ ہو، کیوں کہ انسانی جسم کو اذیت دینا کسی بھی صورت میں درست نہیں، اور پھر انسانی جسم میں قطع وبرید کا عمل ایک انتہائی عمل ہے اور انسان اپنے جسم کا مالک نہیں ہے کہ اس میں جیسے چاہے تصرف کرے۔

لیکن اگر ہم مقاصدِ شریعت پر نظر ڈالیں، تو معلوم ہوتا ہے کہ تحفظِ جان (جان کی حفاظت) کے نقطۂ نظر سے ضرورت اور استحسان بضرورت کا تقاضا یہ ہے کہ آپریشن کی اجازت ہو، کیوں کہ انسانی جسم کی حفاظت انسان کا حق ہی نہیں، بلکہ اس کا فرض ہے اور ایسا عملِ جراحی جس کی کامیابی کے مواقع زیادہ ہوں اور تجربات سے اس کی تصدیق ہو چکی ہو، اس سے احتراز کرکے صحت کو نقصان پہنچانے کا راستہ اختیار کرنا کسی صورت درست نہیں۔ جسمانی اذیت کے مقابلے میں جسمانی صحت کے حصول کا عمل زیادہ راجح ہے، چنانچہ فقہ کا اصول و قاعدہ ہے۔

° لو کان أحدهما أعظم ضررا من الآخر؛ فإن الأشد يزال بالأخف (ابن نجيم،)۔[xvii] **ترجمہ:** اگر دو ضرروں میں سے ایک ضرر دوسرے سے بڑھ کر ہو، تو اس صورت میں سخت نقصان کا ازالہ کمتر نقصان کے ذریعے کیا جائے گا۔ اس قاعدہ کی مزید تشریح کرتے ہوئے ڈاکٹر محمد مصطفی الزحیلی لکھتے ہیں: ° لو کان أحدهما أعظم ضرراً، ولابدّ من فعل أحدهما، فإنه يرتكب أخف الضررين (الزحيلي،)۔[xviii] **ترجمہ:** اگر دو ضرروں میں سے ایک ضرر دوسرے سے بڑھ کر ہو، اور ان میں سے ایک کا کرنا ضروری ہو، تو اس صورت میں ان دو ضرروں میں سے ہلکے ضرر (نقصان) کا ارتکاب کیا جائے گا۔

لہٰذا مذکورہ قاعدہ سے معلوم ہوا، کہ آپریشن کی اذیت کے ذریعے جسمانی مرض کی اذیت کا ازالہ کیا جائے گا۔ چنانچہ فتاویٰ عالمگیری (ھندیہ) میں تحریر ہے: ° لا بأس بقطع العضو إن وقعت فيه الآكلة لئلا تسري (الفتاوى الهندية)۔[xix] **ترجمہ:** اگر کسی عضو میں ناسور پیدا ہو جائے تو اس کو بڑھنے سے روکنے کے لیے عضو کے کاٹنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (یعنی اس کا کاٹنا جائز ہے)۔

دوسری جگہ تحریر ہے: ° ولا بأس بشق المثانة إذا كانت فيها حصاة (الفتاوى الهندية)۔[xx] **ترجمہ:** اگر مثانہ میں پتھری ہو، تو مثانہ کو کاٹنے (چیرنے) میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (یعنی مثانہ کو چیرنا درست ہے)۔

اسی طرح فقہاء نے اس امر کی اجازت بھی دی ہے کہ حاملہ عورت کے انتقال کی صورت میں اگر بچے کے زندہ ہونے کا احتمال ہو، تو اس کے پیٹ کا آپریشن کرکے بچہ باہر نکالا جاسکتا ہے (أبي الليث)۔[xxi]

مسئلۂ دوم: حقِ تصنیف کا معتبر ہونا:

عصرِ حاضر میں حقِ تصنیف کو محفوظ کرنا بین الاقوامی قوانین میں معتبر سمجھا جاتا ہے، اور علمائے اسلام نے بھی اس کا اعتبار کیا ہے، لیکن ازروئے

قیاس یہ حق کسی کے ساتھ مخصوص نہیں اور اس کی حیثیت فقط مباح کی ہے، کیوں کہ یہ مال نہیں ہے، اس لیے کے اس پر مال کی تعریف حنفیہ کے نزدیک صادق نہیں آتی۔ چنانچہ صاحبِ ھدایہ علامہ مرغینانی لکھتے ہیں: ° لأن المال مایمکن إحرازہ والمال ھو المحل للبیع (المرغینانی،)۔[xxii]

ترجمہ: اس لیے کہ مال وہ ہے، جس کو محفوظ کرنا ممکن ہو، اور یہی مال خرید و فروخت کا محل بنتا ہے، یعنی کسی کے ساتھ مخصوص ہوتا ہے۔

لیکن مقصدِ شریعت کو دیکھتے ہوئے، تحفظِ مال اور استحسان بالمصلحۃ کی خاطر حقِ تصنیف و تالیف کو محفوظ کرنا درست ہے، کیوں کہ حقِ تصنیف درحقیقت انسانی ذہنی محنت کو اپنے ہاتھوں میں محفوظ رکھنے کا نام ہے، تاکہ وہ خود اس سے مادی فائدہ اٹھا سکے۔ حقِ تصنیف کی حفاظت کا مقصد اپنی محنت کے نتائج کو دوسروں کے ہاتھوں میں پہنچنے سے بچانا ہے، اور یہ امر کسی صورت میں ناجائز نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا اس صورت میں اس حق میں مداخلت کرنے والا، قانون کی خلاف ورزی کا مرتکب ہوگا۔

مسئلۂ سوم: اعضاء کی پیوندکاری:

کسی انسان کا کوئی عضو ناکارہ ہوچکا ہو اور اس عضو کے عمل کو آئندہ جاری رکھنے کے لئے کسی متبادل کی ضرورت ہو تو اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے انسان یا غیر حیوانی اجزاء کا استعمال کو اعضاء کی پیوندکاری کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اگر کوئی تندرست شخص ماہر اطباء کی رائے کی روشنی میں اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ اگر اس کے دو گردوں میں سے ایک گردہ نکال لیا جائے تو بظاہر اس کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا اور وہ اپنے رشتہ دار مریض کو اس حال میں دیکھتا ہے کہ اس کا خراب گردہ اگر نہیں بدلا گیا تو بظاہر حال اس کی موت یقینی ہے اور اس کا کوئی متبادل موجود نہیں ہے تو ایسی حالت میں اس کے لئے جائز ہوگا کہ وہ بلا قیمت اپنا ایک گردہ اس مریض کو دے کر اس کی جان بچالے۔

قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی اجازت کسی بھی صورت میں نہ ہو، کیوں کہ انسانی اجزاء سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہے، کیوں کہ یہ اس کی انسانی شرافت کے خلاف ہے، اس لیے کہ اللہ پاک نے اسے معزز بنایا ہے، چنانچہ صاحبِ ھدایہ علامہ مرغینانی لکھتے ہیں: ° وحرمۃ الإنتفاع بأجزاء الآدمی لکرامتہ (المرغینانی،)۔[xxiii] ترجمہ: انسان کے احترام کی وجہ سے اس کے اجزاء سے استفادہ ناجائز ہے۔

مذکورہ مسئلہ میں بھی چونکہ ایک زندہ انسان کی بقا کا مسئلہ در پیش ہے۔ لہٰذا مقاصدِ شریعت یعنی تحفظِ جان اور استحسان بالضرورۃ کی وجہ سے ایسی صورت میں کسی مردہ انسان کے صرف ان اجزاء سے پیوند کاری کی جاسکتی ہے جو انسانی حیات کے لیے ضروری ہیں، اسی طرح کسی زندہ صحت مند انسان کے دونوں گردے صحت مند ہوں اور ایک گردہ نکال لینے کی صورت میں اس کی صحت متاثر ہونے کا خدشہ نہ ہو تو وہ اپنا گردہ جاں بلب مریض کو دینے کی اجازت دے سکتا ہے۔

مسئلۂ چہارم: شخصی ملکیت کو قومی تحویل میں لینا:

شخصی ملکیت میں موجود غیر منقولہ جائیداد کو مناسب معاوضے کے بدلے میں جبراً بھی قومی تحویل میں لینا درست ہے، بشرطیکہ یہ حصول ضرورتِ عامہ یا ایسی حاجتِ عامہ ہو جو ضرورت کے قائم مقام ہوتی ہے، جیسے سڑکوں، پلوں اور مساجد کی تعمیر وغیرہ۔ مذکورہ مسئلہ میں قیاس کا تقاضا یہ ہے، کہ شخصی جائیداد کو مالک کی رضامندی کے بغیر جبراً کسی بھی صورت میں حاصل کرنا درست نہیں ہے، کیوں کہ شخصی و انفرادی ملکیت ایک قابلِ احترام شرعی اصول ہے، حتیٰ کہ حدیث میں آتا ہے: ° أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال:لا یحل مال امرئ مسلم إلا بطیب نفس منہ (البیھقی)۔[xxiv] ترجمہ: کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا؛ کسی بھی مسلمان کا کوئی مال اس کی خوش دلی کے بغیر دوسرے کے لیے حلال نہیں۔

لیکن مقاصدِ شریعت کی تین سطحوں میں سے سب سے اہم سطح ضروریات اور استحسان بالضرورت کے پیشِ نظر مصلحتِ عامہ کی خاطر جب اس کے علاوہ کوئی اور چارہ کار نہ ہو، تو شخصی و انفرادی ملکیت کو مالک کی رضا کے بغیر بھی مناسب معاوضہ دیکر کو قومی تحویل میں لیا جاسکتا ہے، کیوں کہ جب دو قسم کے نقصانات میں سے کوئی ایک لازماً برداشت کرنا پڑے تو اس صورت میں کم تر درجے کے نقصان کو برداشت کرتے ہوئے بڑے نقصان سے بچا جائے گا۔ جیسا کہ اصولِ فقہ کا قاعدہ ہے: ° لو کان أحدھما أعظم ضررا من الآخر؛ فإن الأشد یزال بالأخف (ابن نجیم)۔[xxv]

ترجمہ: اگر دو ضرروں میں سے ایک ضرر دوسرے سے بڑھ کر ہو، تو اس صورت میں سخت نقصان کا ازالہ کمتر نقصان کے ذریعے کیا۔

اب مسئلۂ مذکورہ میں بھی ایک طرف شخصی ملکیت سے محرومی کا نقصان ہے لیکن اس سے کہیں بڑھ کر وہ نقصان ہے جس کا سامنا پورے معاشرے کو کرنا پڑ رہا ہے یا کرنا پڑے گا۔ یہاں عمومی مقاصد و شخصی مقاصد جمع ہو گئیں، اور یہ بات ظاہر ہے، کہ عمومی مقاصد کو شخصی مقاصد پر ترجیح حاصل ہے۔

چنانچہ حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے ادوارِ حکومت میں حرم مکی کی توسیع کے لیے عادلانہ معاوضے کے بدلے میں کئی افراد سے ان کے گھر لیے گئے تھے (الزحیلي)۔[xxvi]

مسئلۂ پنجم: خون کی منتقلی:

ضرورت کے وقت خون کا انتقال اور اس کو خریدنا دونوں درست ہیں۔

قیاس کا تقاضا یہ ہے، کہ یہ درست نہ ہو، کیوں کہ خون انسانی جسم کا جزو ہے اور انسانی جزو سے انتفاع اٹھانا جائز نہیں ہے، نیز خون نجس بھی ہے اور نجس چیز سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہے۔

لیکن مقاصدِ شریعت کے پنجگانہ اصول پر اگر نظر ڈالی جائے، تو تحفظِ جان اور دوسرے الفاظ میں استحسان بالضرورت کا تقاضا یہ ہے، کہ اس کی اجازت شرعاً حاصل ہو، کیوں کہ انسان کی صحت کی حفاظت زیادہ اہمیت رکھتی ہے، لہٰذا انسانی جسم کو بیماری سے نجات دلانے اور بسا اوقات اسے موت کے منہ میں لے جانے سے بچانے کے لیے سوائے اس کے اور کوئی صورت ممکن نہیں ہوتی، کہ اسے انسانی خون منتقل کیا جائے۔ اس معاملے کی نوعیت بالکل ایسی ہے جیسے دودھ سے عورت کا جزو بدن ہونے کے ناتے فائدہ نہیں اٹھایا جاسکتا، لیکن چونکہ بچے کی نشو و نما کا دار و مدار اسی پر ہے، اس لیے ازروئے ضرورت اجازت دی گئی ہے۔ چنانچہ ایک مخصوص مدت کے بعد بچے کے لیے جائز نہیں رہتا کہ وہ عورت کا دودھ پیے۔ اسی طرح بلاضرورت خون کا استعمال درست نہ ہو گا۔ لہٰذا اس مسئلہ کا جواز پر "فتاویٰ عالمگیری المعروف فتاوی الھندیہ" کی مذکورہ عبارت دلالت کرتی ہے: ° ولا بأس بأن يسعط الرجل بلبن المرأة ويشربه للدواء (الفتاوى الهندية)۔[xxvii]

ترجمہ: علاج کی غرض سے مرد کے لیے ناک میں عورت کا دودھ ڈالنا یا پینا جائز ہے۔

مسئلۂ ششم: انسانی خون کی خرید و فروخت:

اگر کسی جگہ یا کسی وقت رضاکارانہ بنیادوں پر خون دستیاب نہ ہو تو اس کی خرید و فروخت قیاس کے قاعدے کا مطابق درست نہیں ہے، کیوں کہ خون انسان کا جزو ہے اور انسانی اجزاء سے انتفاع اس کی احترام کی وجہ سے جائز نہیں، اس لیے اس احترام کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی خرید و فروخت جائز نہ ہو۔ چنانچہ صاحب ھدایہ علامہ مرغینانی انسانی اجزاء کے متعلق لکھتے ہیں: ° لأن الآدمي مكرم لا مبتذل فلا يجوز أن يكون شيء من أجزائه مهانا ومبتذلا (المرغيناني)۔[xxviii] ترجمہ: انسان، چونکہ حرمت رکھتا ہے، اس لیے بے وقعت نہیں، لہٰذا یہ درست نہیں کہ اس کے اجزاء میں سے کسی چیز کی بے حرمتی یا اہانت کی جائے۔

لیکن اگر مقاصدِ شریعت پر نظر ڈالی جائے، تو تحفظِ جان و استحسان بالضرورت کا تقاضا یہ ہے، کہ انسانی زندگی کا اس (خون) پر دارومدار ہے لہٰذا اس کا حصول کسی بھی قیمت پر درست ہے، تاہم فروخت کنندہ کے لیے قیمت لینا پاکیزہ اور حلال نہ ہو گا، جیسے خنزیر کے بالوں کے متعلق ایک مشہور فقہی جزئیہ ہے: ° إذا كان لا يوجد إلا بالبيع جاز بيعه لكن الثمن لا يطيب للبائع (البابرتي)۔[xxix] ترجمہ: جب سور کے بال خرید و فروخت کے علاوہ نہ ملے، تو اس کی خرید و فروخت جائز ہے، لیکن بیچنے والے کے لیے اس کا ثمن حلال نہیں ہے۔

دوسری بات یہ بھی ہے، کہ خون انسانی دودھ کی طرح انسانی جسم کا ایک جزو ہے اور شریعت میں بچے کو دودھ پلانے کے لیے کسی عورت کی خدمات باقاعدہ معاوضہ پر لینا جائز ہے، چنانچہ صاحبِ ھدایہ اس کے متعلق لکھتے ہیں: إن العقد يقع على اللبن، والخدمة تابعة، ولهذا لو أرضعته بلبن شاة لا تستحق الأجر (المرغيناني)۔[xxx] ترجمہ: عقد اور معاہدہ دودھ پر ہوا ہے اور بچے کی دیکھ بھال اس کے تابع اور ضمنی ہے، اس لیے اگر وہ عورت بچے کو بکری کا دودھ پلائے تو وہ اجرت کی مستحق نہیں ہو گی۔

مصنوعی طریقے استعمال کرے۔ چنانچہ جہاں یہ درست نہیں کہ جسم کو گودوا کر اسے جاذب نظر بنایا جائے یا دانتوں میں مصنوعی خلیج پیدا کرکے کسی فیشن کو اپنایا جائے، وہیں اس امر سے بھی نہیں روکا گیا کہ انسان اپنے جسم میں موجود کسی خامی کا ازالہ کرے، خواہ اس میں اسے وقتی اذیت کا سامنا ہو (البخاری)۔[xxxi]

مسئلۂ ہشتم: میڈیکل ریسرچ کی غرض سے جانوروں پر تجربات:

موجودہ دور میں مختلف بیماریوں کے علاج دریافت کرنے اور ان کی آزمائش کے لیے جانوروں پر تجربات کیے جاتے ہیں۔ اس کا طریقہ چونکہ عمومی طور پر یُوں ہوتا ہے کہ پہلے جانوروں میں بیماری کے جراثیم تیار کیے جاتے ہیں اور پھر ان پر ممکن دواؤں کو آزماکر صحیح علاج دریافت کیا جاتا ہے۔ جانوروں پر اس قسم کے تجربات کو اگر قیاس کی نظر سے دیکھا جائے، تو قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ تجربات درست نہ ہوں، کیوں کہ ان کے ذریعے جانداروں کو اذیت پہنچائی جاتی ہے جو درست عمل نہیں ہے۔

مگر حاجیات جو مقاصدِ شریعت کی سطحِ دوم ہے، اور اسی طرح استحسان بالمصلحت و الضرورت کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی اجازت حاصل ہو، کیوں کہ اللہ پاک نے جانوروں سمیت تمام اشیاء انسان کے فائدے کے لیے پیدا کی ہیں، جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے: هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا (سورة البقرة،26:2)۔[xxxii] **ترجمہ:** وہی ہے جس نے تمہارے لیے جو کچھ زمین میں ہے، پیدا کیا ہے۔

اسی دوسری جگہ ارشادِ خداوندی ہے: اللَّهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَنْعَامَ لِتَرْكَبُوا مِنْهَا وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ ۝ وَلَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ وَلِتَبْلُغُوا عَلَيْهَا حَاجَةً فِي صُدُورِكُمْ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُونَ (سورة الغافر،79:40-)۔[xxxiii] **ترجمہ:** اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لیے مویشی بنائے، تاکہ ان میں سے کچھ پر سواری کرو اور ان میں سے کچھ کو تم کھاتے بھی ہو اور تمہارے لیے ان میں اور بھی بہت سے فائدے ہیں اور تاکہ ان پر اپنی اس ضرورت تک پہنچو جو تمہارے سینوں میں ہے اور تم ان پر اور کشتی پر لدے لدے پھیرتے ہو۔

گویا جانور، انسان کے ہمہ نوعیت فائدے بشمول خوراک، لباس، سواری اور علاج کے لیے ہی پیدا کئے گئے ہیں، لہٰذا انسانی فائدے کے پیشِ

مذکورہ بحث سے یہ بات معلوم ہوئی، کہ استحسان بالضرورت والمصلحت یا دوسرے الفاظ میں مقاصدِ شریعت کی روشنی میں بلڈ بنک قائم کرنے کی گنجائش ہے۔ اس لیے کہ انسان کسی بھی وقت مہلک بیماری میں مبتلا ہو سکتا ہے یا حادثے کی وجہ سے اسے خون کی ضرورت پیش آسکتی ہے، اور وہی خون اس کے لیے کارآمد ہوتا ہے جو اس کے خون کے گروپ سے تعلق رکھتا ہو، نیز بوقتِ ضرورت خون کے مناسب گروپ کے ملنے میں دشواریاں پیش آتی ہیں، نیز رضاکارانہ بنیادوں پر خون کا مہیا ہونا بسا اوقات مشکل و دشوار ہوتا ہے، اس لیے اس امر کی شدید ضرورت ہے کہ ایسا بلڈ بنک قائم کیا جائے جس میں مختلف گروپوں کے خون کا ذخیرہ ہو، جہاں سے خون معاوضے پر یا بلا معاوضہ ضرورت کے وقت حاصل کیا جاسکے۔

مسئلۂ ہفتم: جسمانی عیب کے ازالہ کے لیے سرجری:

اللہ تعالیٰ کا نظام ہے کہ عام طور پر ماں کے پیٹ سے جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو ساخت و بناوٹ اور شکل و صورت کے لحاظ سے مکمل ہوتا ہے لیکن بعض اوقات قدرتی اسباب کے پیش نظر غذائی مواد کی کمی یا کیمیائی تبدیلی کی وجہ سے بچہ ناقص الخلقت پیدا ہوتا ہے، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض بچوں کی چار انگلیاں ہوتی ہیں اور بعض اوقات ان کا ہونٹ درمیان سے کٹا ہوتا ہے، یا کسی کے ہاتھ پاؤں میں زائد انگلی ہوتی ہے، لہٰذا اگر کسی شخص کو کوئی جسمانی عیب و نقص لاحق ہو، مثلاً تو اسے عملی جراحی کے ذریعے علیحدہ کیا جاسکتا ہے۔

اب اگر قیاس کو دیکھا جائے، تو قیاس اس کی اجازت نہیں دیتا، کیوں کہ انسان کو جسمانی اور ذہنی اذیت دینا جائز نہیں ہے، کیوں کہ انسان ایک قابلِ احترام مخلوق ہے، لیکن یہاں بھی اگر مقاصدِ شریعت کی طرف دیکھا جائے تو مقاصد کی تین سطحوں میں سے دوسری سطح "حاجیات" اور استحسان بالمصلحت کی روشنی میں اس کی اجازت ہونی چاہیئے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو معاشرت پسند بنایا ہے، اور وہ اشیاء جو اس کے لیے اس معاملہ میں رکاوٹ بنتی ہیں، ان کا ازالہ اس کے لیے کسی حد تک ضروری ہو جاتا ہے، لیکن اس معاملے میں افراط و تفریط سے بچنا نہایت ہی ضروری ہے یعنی نہ یہ حالت ہو کہ انسان اپنے عیوب کا ازالہ ہی نہ کرے اور نہ انسان بلاوجہ زیب و زینت کے لیے

نظر ان پر طبعی تحقیق بھی کی جاسکتی ہے۔اس میں اذیت کا پہلو ثانوی ہے اور انسانی مصلحت کا مقصد اولین حیثیت رکھتا ہے، اس لیے اس مقصد کو ترجیح ہوگی۔

مسئلۂ نہم: تحفظِ جان کی خاطر اسقاطِ حمل (Abortion) کی اجازت:

عمومی حالات میں اسقاطِ حمل جائز نہیں ہے، لیکن حاملہ عورت کی جان بچانے کے لیے اگر کسی ماہر ڈاکٹر نے اسقاطِ حمل کی تجویز دی، تو اس صورت میں قیاس کا تقاضا یہ ہے، کہ ایسے بچے کو ضائع کرنا جس میں جان پڑ چکی ہو، کسی بھی صورت میں درست نہیں۔اور یہ قتل سے مشابہ صورت ہے (أبي الليث)۔[xxxiv]

لیکن اگر مقاصدِ شریعت پر نظر ڈالی جائے، تو معلوم ہوتا ہے کہ تحفظِ جان (جان کی حفاظت) اور استحسان بضرورت کا تقاضا یہ ہے، کہ جان بچانے کی غرض سے اسقاطِ حمل درست ہے۔کیوں کہ زندہ عورت کی جان بچانا جنین کی زندگی سے زیادہ اہم ہے۔(وھبۃ الزحیلی)۔[xxxv]

مسئلۂ دہم: حکومت کا نرخ مقرر کرنا: (وھبۃ الزحیلی)[xxxvi]

اگر کسی شہر یا ملک میں حالات ایسے بن جائے، کہ جب تاجر نفع اندوزی پر اتر آئیں اور عام آدمی کو ان کے طرزِ عمل سے نقصان کا سامنا کرنا پڑے، تو کیا ایسے حالات میں حکومتِ وقت اشیاء کا نرخ مقرر کرسکتی ہے؟

اب اس مسئلہ میں بھی قیاس کا تقاضا یہ ہے، کہ نرخ مقرر کرنا درست نہ ہو، کیوں کہ ثمن مقرر کرنا یہ عاقد کا حق ہے اور اسی کے ذمے ہے کہ وہ کتنا ثمن مقرر کرتا ہے، کسی اور کو اس کے حق میں دست اندازی کی اجازت نہیں خواہ وہ حکومتِ وقت ہی کیوں نہ ہو، کیوں کہ حدیث نبوی ﷺ میں ہے کہ جب لوگوں نے نرخ مقرر کرنے کو رسول اللہ ﷺ سے کہا تو آپ نے ان کو جواب دیا: ° إن الله هو المسعر القابض الباسط الرازق (السجستاني،)۔[xxxvii] **ترجمہ:** بے شک اللہ تعالیٰ ہی بھاؤ مقرر کرنے والا، تنگی اور فراخی کرنے والا اور رزق دینے والا ہے۔

اب مقاصدِ شریعت کے پنجگانہ اصول میں سے تحفظِ مال اور استحسان بالمصلحت کا تقاضا یہ ہے، کہ مصلحتِ عامہ کی خاطر اشیاء کا نرخ مقرر کرنا چاہیے، تاکہ لوگ تاجروں کی غلط روی اور منافع خوری کا شکار ہونے لگیں تو ضررِ عام سے بچنے کے لیے نفعِ خاص کو محدود کردیا جائے (المرغيناني،)۔[xxxviii]

مسئلۂ یازدہم: خنزیر کے بالوں سے انتفاع:

خنزیر نجس العین ہے، یعنی وہ تمام اجزاء سے سمیت ناپاک ہے۔اس لیے شرعاً اس کے کسی جزو سے انتفاع اٹھانا حرام ہے ۔ لیکن اگر کوئی ایسی صورت پیش آجائے یا کوئی ایسی چیز ہو، کہ اس کے لیے خنزیر کے بالوں کا استعمال ضروری ہو، اور وہاں خنزیر کے بالوں کے علاوہ کوئی متبادل چیز نہ ملے، تو مقاصدِ شریعت کی دوسری سطح حاجیات کی روشنی میں اس کے (خنزیر کے بالوں) استعمال کی گنجائش ہے۔ یعنی ضرورت و حاجت کے تحت اس کی اجازت دی گئی ہے۔ لہٰذا اس حوالہ سے بنیادی طور پر اس کے بال مباح قرار پاتے ہیں (سید الرحمٰن)۔[xxxix]

دوازدہم: گواہوں کے مطلوبہ صفات میں نرمی اختیار کرنا:

اگر کسی جگہ صورت حال یہ ہو، کہ قاضی کو عدل کی مطلوبہ صفت حامل گواہ دستیاب نہ ہوں، تو کیا ایسی صورت میں قاضی ایسے افراد کی گواہی پر اعتماد کرسکتا ہے جو جزوی طور پر لائق اعتماد ہوں؟

مذکورہ صورت میں قیاس کا تقاضا یہ ہے، کہ گواہوں کی گواہی ان میں صفتِ عدل کے بغیر قبول نہ ہو کہ یہ گواہی کی بنیادی شرط ہے۔ لیکن مقاصدِ شریعت کے ضروریاتِ خمسہ (تحفظِ نفس، تحفظِ مال، تحفظِ نسل اور تحفظِ عقل) اور استحسان بالمصلحت و الضرورت کا تقاضا یہ ہے کہ لوگوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے کم بااعتماد گواہ کی گواہی پر بھی فیصلہ کردیا جائے۔ تاکہ لوگوں کے حقوق ضائع نہ ہو۔البتہ حدود کی سزاؤں میں گواہوں کی مطلوبہ صفات کو بہر صورت ملحوظ رکھا جائے گا، اور یہی مصلحت کا تقاضا ہے (الزحیلی،)۔[xl]

خلاصۂ بحث:

تطبیق کی غرض سے پیش کی گئی ان مثالوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ استحسان اور اس کے تمام اقسام بندوں کے مفادات کی حفاظت اور ان سے حرج (تنگی وپریشانی) دور کرنے میں مقاصدِ شریعت کی تکمیل کرتے ہیں ،اس کی انواع میں سے کسی بھی نوع میں تخلف نہیں ہے۔لہٰذا استحسان

کوایک ایسا آلۂ وسیلہ ہوناچاہیے کہ مجتہد اس کاسہارااُس وقت لے، جب نص سے یا قیاس سے مقصدِ شرعی پورا نہ ہوتا ہو، پس شارع کا مقصود مخلوق کی بابت ثابت و متحقق ہو جائے گا، کیوں کہ شارع کا مقصود بندوں کے دنیوی اور اخروی مفادات کی حفاظت ہے۔

اس ساری تفصیل کے بعد استحسان کی حقیقت کا مفہوم کے اعتبار سے موافقِ مقاصد شریعت ہوناواضح ہو جاتا ہے، جیسا کہ یہ اپنی انواع کے اعتبار سے مصالحِ عباد میں مقاصدِ شریعت کے ساتھ متحد ہے ،اور اس کے ایسا ہونے کی وجہ سے پس یہ ایک ایساوسیلۂ شرعیہ بن گیا ہے، کہ اس کا حکمِ شرعی تک پہنچنے کا اعتبار کیا گیا ہے۔لہذا مذکورہ دلائل کی بناء پر استحسان اور مقاصدِ شریعت کا باہمی تعلق کا اعتبار کیا جانا چاہیے، کہ جس طرح فقہائے احناف نے مصلحت و ضرورت کے پیشِ نظر استحسان کو بنیاد بنا کر اجتہاد کیا ہے، اسی طرح مقاصدِ شریعت جو اپنی حقیقت کے اعتبار سے استحسان کے موافق ہے،اس کو بھی اجتہاد کے ایک اہم منہج شمار کرنا چاہیے۔

References

الزحيلي، نظرية الضرورة الشرعية مقارنة، استحسان الضرورة، ص: 159 ومابعدها، الناشر: مؤسسة الرسالة – بيروت–شارع سوريا، الطبعة الرابعة:1405ه-1985ء۔

الدّبوسيّ، أبوزيد عبد الله، تقويم الأدلة في أصول الفقه، 2/44، الناشر: دار الكتب العلمية، الطبعة: الأولى، 1421ه--2001۔

الزّبيدي، محمّد بن محمّد، تاج العروس، مادة: حسن، 34 / 423، الناشر: دار الهداية)۔ و أيضا في لسان العرب، مادة(حسن)13 / 117، الناشر: دار صادر–بيروت۔

السرخسي، محمد بن أحمد، أصول السرخسي، فصل في بيان القياس والاستحسان، 2 / 200، الناشر: دار المعرفة–بيروت۔

السرخسي، أصول السرخسي، فصل في بيان القياس والاستحسان، 2 / 200، الناشر: دار المعرفة–بيروت۔

القرآن، سورة البقرة، 2/236۔

سورة البقرة، 1 / 233۔

الآمدي، أبوالحسن، الإحكام في أصول الأحكام، 4/157، الناشر: المكتب الإسلامي، بيروت-دمشق-لبنان۔

كذافي الاصل ويمكن ان يكون تصحيفا، والانسب "سمي به"۔

البخاري، عبد العزيز علاء الدين، كشف الأسرار شرح أصول البزدوي، 4 / 3، الناشر: دار الكتاب الإسلامي۔

آل تيمية، عبد الحليم بن تيمية، المسودة في أصول الفقه، 1 / 454، الناشر: دار الكتاب العربي۔

الدّبوسيّ، أبو زيد عبد الله، تقويم الأدلة في أصول الفقه، 1 / 404، الناشر: دار الكتب العلمية۔

الآمدي، أبوالحسن، الإحكام في أصول الأحكام، 4/158، الناش: المكتب الإسلامي، بيروت-دمشق-لبنان۔

لقد عرف ابو حسن الكرخي، فقال: هو ان يعدل المجتهد عن ان يحكم في المالة بمثل ماحكم به في نظائرها لوجه اقوى يقتضي العدول عن الاول ۔۔ وهذا التعريف ابين التعريفات لحقيقة الاستحسان عند الحنفية، لانه يشمل كل انواعه۔۔۔۔الخ (ابو زهرة، اصول الفقه، ص: 262، الناشر: دار الفكر العربي ۔ و ايضاً في الاستصلاح للشيخ مصطفٰى الزرقا۔)

السرخسي، محمد بن أحمد، أصول السرخسي، فصل في بيان القياس والاستحسان، 2 / 202، الناشر: دار المعرفة–بيروت۔

By: Mohammad Hashim ‹Principles of Islamic Jurisprudence Chapter Twelve: Isthsan, or Equity in Islamic ‹Kamali, Law۔ ص:217، ومابعدها۔

ابن نجيم، زين الدين بن إبراهيم بن محمد، الْأَشْبَاهُ وَالنَّظَائِرُ عَلَى مَذْهَبِ أَبِيْ حَنِيْفَةَ النُّعْمَانِ، 1 / 75، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت – لبنان، الطبعة: الأولى، 1419 ه-- 1999م۔

الزحيلي، ڈاکٹر محمد مصطفى، القواعد الفقهية وتطبيقاتها في المذاهب الأربعة، 1 / 217، الناشر: دار الفكر–دمشق، الطبعة: الأولى، 1427ه--2006م۔

الفتاوى الهندية، الباب الحادي والعشرون فيمايسع من جراحات بني آدم والحيوانات، 5 / 360، الناشر: دار الفكر، الطبعة: الثانية، 1310ه--۔

في فتاوى أبي الليث –رحمه الله تعالى– في امرأة حامل ماتت وعلم أن مافي بطنها حي فإنه يشق بطنها من الشق الأيسر وكذلك إذاكان أكبر رأيهم أنه حي يشق بطنها كذافي المحيط وحكي أنه فعل ذلك بإذن أبي حنيفة – رحمه الله تعالى – فعاش الولد كذا في السراجية۔)[الفتاوى الهندية، الباب الحادي والعشرون فيمايسع من جراحات بني آدم والحيوانات، 5/360، الناشر: دار الفكر، الطبعة: الثانية، 1310ه--]

االمرغيناني، أبو الحسن برهان الدين، الهداية في شرح بداية المبتدي، باب البيع الفاسد، مدخل، 3/47، الناشر: دار احياء التراث العربي-بيروت-لبنان۔

سورة البقرة،2:26۔

سورة الغافر،40:79-80۔

في فتاوى أبي الليث –رحمه الله تعالى– في امرأة حامل ماتت وعلم أن مافي بطنها حي فإنه يشق بطنها من الشق الأيسر وكذلك إذا كان أكبر رأيهم أنه حي يشق بطنها كذا في المحيط وحكى أنه فعل ذلك بإذن أبي حنيفة – رحمه الله تعالى – فعاش الولد كذا في السراجية۔ (الفتاوى الهندية، الباب الحادي والعشرون فيما يسع من جراحات بني آدم والحيوانات، 5/360، الناشر: دار الفكر، الطبعة: الثانية، 1310هـ)

وهبة الزحيلي، نظرية الضرورة الشرعية مقارنة، استحسان الضرورة، ص: 242– 243، و مابعدها، الناشر: مؤسسة الرسالة – بيروت–شارع سوريا، الطبعة الرابعة: 1405ه-1985ء۔

السجستاني، سليمان بن الأشعث، أبو داود سليمان، سنن أبي داود، 3/272، رقم الحديث: 3451، المحقق: محمد محيي الدين عبد الحميد، الناشر: المكتبة العصرية، صيدا – بيروت۔

المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين، الهداية في شرح بداية المبتدي، كتاب الكراهية، فصل في البيع، 4/378-379، الناشر: دار احياء التراث العربي- بيروت–لبنان۔

سید الرحمٰن، امام ابوحنیفہؒ حیات، فکر اور خدمات، حنفی نظریۂ استحسان اور عصری مسائل،، ص: 97، الناشر: ادارہ تحقیقات اسلامی بین الاقوامی یونیورسٹی–اسلام آباد۔ اشاعت اول: 2002، اشاعت دوم: 2013ء۔

وكقبول الشهادة الامثل فالامثل اي الاحسن سيرة بين الشهود الموجودين بدلا من اشتراط العدالة الكاملة او المطلقة لضرورة الفصل في القضايا بين الناس، ولا ضاعت الحقوق لامتناع الاثبات، نظر الفساد الزمان۔ (الزحيلي، نظرية الضرورة الشرعية مقارنة، بيروت–شارع – استحسان الضرورة، ص: 201 ومابعدها، الناشر: مؤسسة الرسالة سوريا، الطبعة الرابعة: 1405ه-1985ء)

المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين، الهداية في شرح بداية المبتدي، باب: الماء الذي يجوز به الوضوء ومالا يجوز، 1/23، الناشر: دار احياء التراث العربي- بيروت-لبنان۔

البيهقي، أحمد بن الحسين بن علي بن موسى الخُسْرَوْجِردي الخراساني، السنن الكبرى، 6/166، رقم الحديث: 11545، المحقق: محمد عبد القادر عطا، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت–لبنات، الطبعة: الثالثة، 1424هـ-2003م۔

ابن نجيم، زين الدين بن إبراهيم بن محمد، الْأَشْبَاهُ وَالنَّظَائِرُ عَلَى مَذْهَبِ أَبِي حَنِيْفَةَ النُّعْمَانِ، 1/75، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت – لبنان، الطبعة: الأولى، 1419 هـ-1999م۔

الزحيلي، نظرية الضرورة الشرعية مقارنة، استحسان الضرورة، ص: 232 و مابعدها، الناشر: مؤسسة الرسالة – بيروت–شارع سوريا، الطبعة الرابعة: 1405ه-1985ء۔

الفتاوى الهندية، الباب الثامن عشر في التداوي والمعالجات، 5/355، الناشر: دار الفكر، الطبعة: الثانية، 1310هـ۔

المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين، الهداية في شرح بداية المبتدي، باب البيع الفاسد، 3/46، الناشر: دار احياء التراث العربي- بيروت-لبنان۔

البابرتي، محمد بن محمد بن محمود، العناية شرح الهداية، بيع شعر الخنزير، 6/425، الناشر: دار الفكر، الطبعة: بدون طبعة وبدون تاريخ۔

المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين، الهداية في شرح بداية المبتدي، كتاب الاجارات، باب اجارة الفاسدة، 3/239، الناشر: دار احياء التراث العربي- بيروت-لبنان۔

لَعَنَ اللَّهُ الوَاشِمَاتِ وَالمُسْتَوْشِمَاتِ، وَالمُتَنَمِّصَاتِ، وَالمُتَفَلِّجَاتِ لِلْحُسْنِ، المُغَيِّرَاتِ خَلْقَ اللَّهِ تَعَالَى » مَالِي لاَ أَلْعَنُ مَنْ لَعَنَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَهُوَ فِي كِتَابِ اللَّهِ: {وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ} [الحشر: 7]) [البخاري، محمد بن إسماعيل أبو عبد الله، صحيح البخاري، 7/164، رقم الحديث: 5931، المحقق: محمد زهير بن ناصر الناصر، الناشر: دار طوق النجاة (مصورة عن السلطانية بإضافة ترقيم ترقيم محمد فؤاد عبد الباقي)، الطبعة: الأولى، 1422هـ]